

## تائید و نصرتِ الہی کا معیار

علامہ یوسف القرضاوی / ترجمہ: ارشاد الرحمن

سوال: ہم قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھتے ہیں: وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (الروم: ۴۷) ”اور ہم پر یہ حق تھا کہ ہم مومنوں کی مدد کریں“، جب کہ زمینی صورتِ حال میں مومنوں کو خواری اور زبوں حالی سے دوچار پاتے ہیں۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی پڑھتے ہیں: وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ (المنافقون: ۶۳) ”عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے“، لیکن مومن رسوائی اور غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے: وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا (النساء: ۴) ”اور اللہ نے کافروں کے لیے مسلمانوں پر غالب آنے کی ہرگز کوئی سبیل نہیں رکھی ہے“، مگر ہم اپنے ارد گرد دیکھتے ہیں تو کافروں کو مومنوں پر ہزار حوالوں سے حاوی پاتے ہیں۔ اسی طرح اور آیات بھی ہیں، مثلاً: إِنَّ اللَّهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا (الحج: ۲۲) ”یقیناً اللہ مدافعت کرتا ہے ان لوگوں کی طرف سے جو ایمان لائے ہیں“۔ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا (محمد: ۱۱) ”یہ اس لیے کہ ایمان لانے والوں کا حامی و ناصر اللہ ہے“۔ وَ أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ (الانفال: ۸) ”اللہ مومنوں کے ساتھ ہے“۔ اس کے باوجود صورتِ حال یہ ہے کہ قوت و سیادت اور سر بلندی کافروں اور ملحدوں کو حاصل ہے، جب کہ کمزوری و پس ماندگی اور ذلت و رسوائی مومنوں کے حصے میں آئی ہے۔ اس کی کیا توضیح ہو سکتی ہے اور کیا سبب بیان کیا جاسکتا ہے؟

جواب: آیات تو بہت ہی صاف ہیں۔ آپ عزت و نصرت اور قوت و سیادت اور تائیدِ الہی کی تمام آیات کو مومنوں سے توجوڑ سکتے ہیں، لیکن ایمان کے ہر دعوے دار اور اہل اسلام جیسے نام رکھ لینے والوں سے متعلق قرار نہیں دے سکتے، کیونکہ اعتبار اور اہمیت ناموں کی نہیں ہوتی بلکہ اُن چیزوں کی ہوتی ہے جن کے یہ نام ہوتے ہیں۔

اگر ایمان سے مراد اللہ و رسولؐ کو ماننے کا زبانی اقرار لیا جائے اور اسلام کے بعض شعائر کو قائم رکھنے کی حد تک سمجھا جائے تو ہم مومن ہیں اور اگر ایمان اُن اوصاف کے حصول کا نام ہو جن کو قرآن مجید نے مومنین کے لیے بیان کیا ہے تو ہمارے اور قرآن کے بیان کردہ ایمان کے درمیان کئی اور مراحل بھی آتے ہیں۔ وہ مومن جن کی نصرت و تائید کا ذمہ قرآن مجید کی آیات کے مطابق اللہ تعالیٰ لیتا ہے۔ اُن مومنوں کی کچھ صفات ہیں جنہیں خود قرآن مجید نے ہی بیان کر دیا ہے۔ ان صفات کے ذریعے ان مومنوں کے ایسے عقائد، اعمال اور اخلاق کو واضح کر دیا گیا ہے جن کی بنا پر مومن اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکریم و توقیر کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ یہ انصاف نہیں کہ ہم مومنوں کے لیے قرآن مجید میں بیان کیے گئے اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا تو ذکر کریں مگر مومنوں کی تعریف اور وضاحت کے لیے قرآن کے بجائے کہیں اور رجوع کریں۔

ہمیں قرآن مجید کی یہ روشن آیات بھی پڑھنی چاہئیں:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ۔ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ۔ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا (الانفال ۸: ۴، ۵) ”سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے، اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں۔ جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں۔“

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ۔ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المومنون ۲۱: ۲۳) ”یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔“ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (التوبہ ۷۱: ۹)

”مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔“ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ فَاصْلِحُوا بَيْنَ اَخْوِيْكُمْ (الحجرات ۴۹:۱۰)

”مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو۔“

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (الحجرات ۴۹:۱۵)

”حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انھوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہی سچے لوگ ہیں۔“ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (النور ۲۴:۵۱)

”ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ رسول ان کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

یہ آیات اور ایسی دیگر بہت سی آیات بھی پڑھنی چاہئیں جو قرآن مجید میں ہی ہیں۔ پھر ہمیں اربوں مسلمانوں کو دیکھنا چاہیے جو خود کو اسلام کے ساتھ منسوب کرتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں اپنے رب کی قسم کھا کر کہیے کہ کیا مسلمان ایسی قوم نہیں بن گئے جنھوں نے نماز کو ضائع کر دیا ہے، خواہشات کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہیں، اللہ سے ان کا تعلق کٹ چکا ہے۔ گویا قرآن ہی کی زبان میں: بِاَسْهُمَ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَقُلُوْبُهُمْ شَتٰی (الحشر ۵۹:۱۴)

”یہ آپس کی مخالفت میں بڑے سخت ہیں۔ تم انھیں اکٹھا سمجھتے ہو مگر ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔“ برائی اُن میں عام اور علانیہ ہو گئی ہے، جب کہ نیکی دَب کر رہ گئی ہے، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ نیکی برائی بن گئی ہے اور برائی نے نیکی کی جگہ لے لی ہے۔ یہاں اب نیکی کا پرچار کرنے والوں کی جگہ برائی کا پرچار کرنے والے آگئے ہیں بلکہ نیکی کو روکنے والے موجود ہیں۔

آپ ان اربوں اہل ایمان کو دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان میں سے لاکھوں کو گروہی تعصب اور فرقہ وارانہ گمراہ کاری نے تباہ کر کے رکھ دیا ہے اور لاکھوں کو سیاسی استبداد نے بے کار

بنادیا ہے۔ لاکھوں کو اجنبی فکری یلغار نے اعتقادی طور پر کمزور کر دیا ہے۔ لاکھوں کو سیکولر استعمار نے علیحدگی پسند بنادیا ہے۔ اسی طرح لاکھوں کو صلیبی استعمار نے جہالت میں دھکیل دیا ہے اور لاکھوں ایسے ہیں جو کسی شمار قطار میں ہی نہیں۔ وہ غفلت میں بے سدھ اور مدہوشی میں بے حس پڑے ہیں: اَمَوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ وَ مَا يَشْعُرُونَ اَيَّانَ يُبْعَثُونَ (النحل ۲۱:۱۶) ”مردہ ہیں نہ کہ زندہ۔ اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انھیں کب (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا۔“

سوال ہے کہ کیا ہم یہودیوں کے مقابلے میں بھی مخلص مومن نہیں؟ یہودی کیوں غالب ہیں، اور غالب بھی ہمارے اوپر ہیں؟

عرض ہے کہ یہودی کائنات میں اللہ تعالیٰ کے قوانین قدرت کو اہمیت دینے کی بنا پر غالب آئے ہیں۔ قوانین قدرت کو اہمیت دینا ایمان کا ایک اہم جز ہے۔ ہم نے اس جز کو ضائع کر دیا لیکن انھوں نے اس کی حفاظت کی ہے۔ دراصل وہ بیدار رہے، جب کہ ہم خواب کے مزے لیتے رہے۔ انھوں نے علم حاصل کیا، جب کہ ہم جہالت میں پڑے رہے۔ انھوں نے محنت و کوشش کو شعار بنایا، جب کہ ہم نے سستی و پس ماندگی کو گلے لگایا۔ انھوں نے اپنی باہمی قوت کو معاونت کے ذریعے بڑھایا، جب کہ ہم باہمی چپقلشوں میں کمزور ہوتے رہے۔ انھوں نے کل کے لیے تیاری کی، جب کہ ہم تو اپنا آج کا کام بھی فراموش کیے رہے۔ اُس قوم نے اپنا خون پسینہ بہا ڈالا، جب کہ ہم نے آنسو بہانے کے علاوہ کچھ نہ کیا۔

ترقی و زوال اور نصرت و ہزیمت کے الہی قوانین کسی سے ظلم نہیں کرتے اور نہ بے جا کسی کی حمایت میں آتے ہیں۔ جو بھی نصرت کے اسباب و وجوہ کو اختیار اور استعمال کرے گا وہ کامیابی سے ہمکنار ہوگا خواہ وہ یہودی ہی ہو۔ اور جو ہزیمت و شکست کی طرف چل پڑے گا وہ اس سے دوچار ہو کر رہے گا خواہ وہ اسلام کے ساتھ ہی منسوب ہو۔ معرکہ اُحد میں مسلمانوں کے ساتھ پیش آنے والے حادثے پر نظر ڈالیے! اس معرکہ میں مسلمانوں نے ایک غلطی کی تو ۷۰ شہداء کی صورت میں اس کی قیمت ادا کی، جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ اور حضرت معصوبؓ بن عمیر اور سعدؓ بن ربیع اور انسؓ بن نضر جیسے جوان مرد مومن شامل تھے۔ اس موقع پر یہ بات بھی مسلمانوں کے کام نہ آئی کہ اُن کے قائد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور

دشمنوں کی صف میں بتوں کے پجاری ہیں۔ قرآن مجید نے اس صورت حال کو یوں محفوظ کیا ہے اور قرآن سے بڑھ کر مبنی بر عدل فیصلہ اور بیان کس کا ہو سکتا ہے۔ فرمایا: اَوْ لَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ اِنَّیْ هٰذَا قُلُّ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (ال عمران ۱۶۵) ”اور یہ تمہارا کیا حال ہے کہ جب تم پر مصیبت آپڑی تو تم کہنے لگے یہ کہاں سے آئی؟ حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دو گنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (فریق مخالف پر) پڑ چکی ہے۔ اے نبی! ان سے کہو، یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

اس مسئلے کو مزید سمجھنے کے لیے قرآن مجید کی درج ذیل آیات بھی پڑھ لیجیے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا خُذُوا حِذْرَکُمْ فَاَنْفِرُوا ثُبَاتٍ اَوْ اَنْفِرُوا جَمِیْعًا (النساء ۷۱:۴) ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، مقابلے کے لیے تیار ہو جاؤ، پھر جیسا موقع ہو الگ الگ دستوں کی شکل میں نکلویا اکٹھے ہو کر“۔ وَ اَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَ مِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِہِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّکُمْ وَ الْاٰخِرِیْنَ مِنْ دُوْنِہِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اللّٰهُ یَعْلَمُھُمْ (الانفال ۶۰:۸) ”اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے اُن کے مقابلے کے لیے تیار رکھو تاکہ اس کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور اُن دوسرے اعداء کو خوف زدہ کر دو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔“ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اِذَا لَقِیْتُمْ فِتْنَةً فَاَنْتَبِھُوا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تَفْلَحُوْنَ ۝ وَ اطِیعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُکُمْ وَ اصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (الانفال ۸:۲۵، ۲۶) ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں، ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

کیا ہم نے ان آیات پر عمل کیا؟ ہم نے تو اپنا دفاع بھی نہ کیا بلکہ فریب میں ہی مبتلا تھے کہ اچانک صہیونی چالوں کا شکار ہو گئے اور آج بھی اُن کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہم ہمیشہ غفلت میں پڑے رہے اور اپنی بساط بھرتیاری کی، نہ قوت حاصل کی۔ ہاں، بے کار اسلحہ خرید لیا جو

نشانے پر لگنے کے بجائے نشانہ لینے والے ہی پر واپس آ لگتا ہے۔ اسلحہ اور ساز و سامان سے یہی غفلت بھری صورت حال تھی جس کی بنیاد پر دشمن نے یکبارگی ہمارے اوپر حملہ کر دیا۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو بھی بیان کیا ہوا ہے: **وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً (النساء ۱۰۲:۴)** ”کفار اس تاک میں ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور سامان کی طرف سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر یک بارگی ٹوٹ پڑیں۔“

یہی وجہ ہے کہ جب ہم دشمن کے سامنے آئے تو اس طرح نہ ٹھہر سکے جس طرح ٹھہرنے کا اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا تھا۔ نہ بہت زیادہ اللہ تعالیٰ کو یاد ہی کیا بلکہ تھوڑا بھی نہ کیا اور نہ اللہ و رسول کی اطاعت کی۔ ہم نے تو لشکر سازی اور میدان جنگ سے منہ موڑ کر قرض و سرود کی طرف رخ کر لیا۔ ہم اس باہمی آویزش اور چپقلش سے باز نہ آئے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں منع کیا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہم ناکام ہوئے اور ہمارے غبارے سے ہوا نکل گئی۔

اس صورت حال کے بعد کیسے ہم اپنے آپ کو مومنوں کے اس گروہ میں شمار کر سکتے ہیں جس کو قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح ہم اُن وعدوں کے منتظر بھی کیسے ہو سکتے ہیں جو اللہ نے کیے ہیں، جب کہ ہم اُن شرائط کو پورا نہیں کر رہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہیں۔ یہ تو بڑی بے شرمی کی بات ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نصرت کے تو طلب گار ہوں مگر خود اللہ تعالیٰ کی مدد کے لیے کچھ نہ کریں۔ اللہ سے ہم مومنوں جیسا بدلہ چاہیں مگر اپنے اندر مومنوں جیسے اوصاف پیدا نہ کریں۔ ہمارے اوپر فرض ہے کہ ہم اللہ کے لیے مخلص ہو جائیں۔ پھر اللہ بھی ہمارے ساتھ مخلصوں جیسا سلوک کرے گا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ ہم حقیقی مومن بن جائیں، اللہ وحدہ کے رب ہونے پر، اسلام کے طریق زندگی ہونے پر، رسول کریم کے مقتدا و پیشوا ہونے پر اور قرآن کے رہنما ہونے پر تہہ دل سے راضی ہو جائیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے عقائد و افکار، اخلاق و کردار اور قانون و نظام زندگی، غرض ہر چیز میں غیر اللہ کی بندگی سے بیزاری کا اظہار کریں۔

صرف اور صرف اسی ایمان کی بنیاد پر ہم اس خوشی و راحت اور عزت و نصرت کو حاصل کر سکتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مومنوں کے لیے مقدر فرما دیا ہے، جب کہ آخرت کی رضا و خوشی اور ثواب و اجر اس کے علاوہ ہے۔

یہاں سوال یہ اُٹھتا ہے کہ کیا صالح مومن بھی کہیں موجود نہیں ہیں؟ گزارش یہ ہے کہ یہ اُمت تو گمراہی پر یک جا نہیں ہو سکتی۔ مگر ایسے صالح مومن بہت تھوڑے ہیں اور وہ تھوڑے ہونے کے ساتھ اُن بکھرے ہوئے دانوں کی طرح منتشر بھی ہیں جو کسی دھاگے میں منسلک نہ ہوں اور ان میں سے کثیر تعداد کو تو اس مایوسی نے گھیر رکھا ہے کہ اصلاح اور تبدیلی ممکن نہیں۔ لہذا انھوں نے ہتھیار ڈال دیے ہیں اور میدان منکرِ خدا، فاجر اور چال باز فکری یلغار کے لیے کھلا چھوڑ دیا ہے۔ ان صالح مومنوں میں سے کچھ تو آہ و زاری، واویلے اور ماضی کی طرف پلٹنے کو کافی سمجھ بیٹھے ہیں اور کوئی سنجیدہ و مثبت لائحہ عمل پیش نہیں کرتے اور کچھ اللہ کی راہ میں پہنچنے والی تکلیف سے ہی خوف زدہ ہو کر کمزور و بے کار ہو گئے ہیں۔ اسی طرح کے درجنوں اور اسباب بھی ہیں جو ایسے مومنوں کی موجودہ صورتِ حال کو واضح کرتے ہیں۔

اس تمام تر صورتِ حال میں مسائل کا حل کیا ہو سکتا ہے؟ حل یہ ہے کہ اہل ایمان ایک دوسرے کو صحیح اسلام کی طرف رجوع کی دعوت دیں کہ عقیدہ و شریعت اور اخلاق و کردار میں وہ صحیح اسلام کو اختیار کریں۔ وہ قوم کو بھی اسی یاد دہانی کے ذریعے امیدیں و عیدیں سنائیں۔ وہ صرف اسلام ہی کے ذریعے غالب آ سکتے اور قیادت کر سکتے ہیں۔ اُن کی وحدت و قوت اسی اسلام میں پوشیدہ ہے اور دنیا کی عزت اور آخرت کی سعادت اسی اسلام میں ہے، کہیں اور نہیں۔

یہ صالح مومن امت کو قدیم جمود، جدید انتشار اور کبھی کھل کر اور کبھی چھپ کر حملہ کرنے والے کفر سے بچانے کے لیے اپنی کوششوں کو متحد کریں۔ ان غیرت مند مومنوں کو اپنے عہد کے حالات کا بخوبی علم ہونا چاہیے، زمانے کے تقاضوں سے آگاہ ہونا چاہیے، اپنے اپنے معاشروں اور ممالک کے احوال سے باخبر ہونا چاہیے۔ اجنبی یلغاروں اور مشکلات سے بھی چوکنا ہونا چاہیے اور ان سے نمٹنے کا سامان بھی کرنا چاہیے۔ انھیں یہ کام ماہر و متخصص علما کے طرز پر کرنا چاہیے، مقلدوں اور نقالوں کی طرح نہیں۔ اس کے ساتھ وہ اس سرکش مادی یلغار کا مقابلہ کرنے کے لیے صبر و یقین کے ہتھیار سے لیس ہوں جس یلغار نے اُن کے گھروں کو تباہ کر ڈالا ہے اور اُن کے دل و دماغ کو بھی ماؤف کر کے رکھ دیا ہے۔ اس صورتِ حال کو ایک بڑے اسلامی مفکر نے ایک جملے میں بیان کیا کہ ”ارتداد بڑھ رہا ہے مگر اس کے خاتمے کے لیے ابوبکر نہیں ہے“۔

جب مومن حق و باطل کے درمیان گرم ہو چکے معرکے میں صبر کا مظاہرہ کر لیں گے اور

انھیں اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کی آیات کی صداقت کا یقین ہو چکے گا اور وہ اللہ، رسولؐ اور جہاد کو ہر اُس چیز پر ترجیح دے چکے ہوں گے جس کی خواہش اور تمنا انسانوں کو ہر دور میں رہی ہے۔ جب وہ ایسی پامردی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کر لیں گے تو وہ خود کو اس کا حقدار بنالیں گے کہ اللہ اُن کو دنیا کی امامت و قیادت عطا فرمادے، زمین کا وارث بنادے، اور زمین کی حکمرانی و سلطنت اُن کے پاس آجائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اِثْمَةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْفِقُوْنَ** (السجدہ ۳۲: ۲۴) ”اور جب انھوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین لاتے رہے تو ان کے اندر ہم نے ایسے پیشوا پیدا کیے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے۔“

لیکن اگر یہ صالح مومن اس فرض کو پورا کرنے سے پہلو بچائیں گے تو اس کا انجام کیا ہو گا؟..... یہ انجام تو بڑا خوف ناک اور دہلا دینے والا ہے۔ قرآن مجید کی ایک آیت نے اس کی علامات کو متعین کر کے اور ایک دوسری آیت نے اسے متعین کیے بغیر بیان کیا ہے۔

پہلی آیت یہ ہے: **اِلَّا تَتَفَرُّوْا يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** (التوبہ ۹: ۳۹) ”تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک سزا دے گا، اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا، اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“ دوسری آیت ہے: **قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاؤُكُمْ وَ اِبْنَاؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالٌ نِّ افْتَرَقْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِيْنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبُّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِيْلِهِ فَتَرٰتِبُصُوْا حَتّٰی يَّاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ** (التوبہ ۹: ۲۴) ”اے نبی کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی، اور تمہاری بیویاں، اور تمہارے عزیز و اقارب اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں، اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے، اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے، اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔“ [ماخذ: [www.qaradawi.net](http://www.qaradawi.net)]